25

ہمارا خدا زندہ اور قادر خدا ہے جو پہلے کی طرح آج بھی اپنی زندگی اور قدرت کے غیر معمولی نشان ظاہر کر رہا ہے

(فرمودہ 29 جون 1956ء بمقام مری)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

''آج میں اِس مضمون پر خطبہ دینا چاہتا ہوں کہ ہمارا خدا ایک زندہ خدا ہے۔ یہ مضمون درحقیقت سورۃ فاتحہ کا حصہ ہے مگر مسلمانوں کی توجہ اس کی طرف نہیں پھری۔ مثلاً جب ہم اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ [1] کہتے ہیں تو پرانے مفسرین بھی اس تفسیر میں لگ جاتے ہیں اور ہم بھی یہی تفسیر شروع کر دیتے ہیں کہ ہمارا خدا انسانوں کا بھی خدا ہے اور جانوروں کا بھی خدا ہے اور کیڑوں مکوڑوں کا بھی خدا ہے۔ اِسی طرح وہ ہندوستانیوں کا بھی خدا ہے اور ایرانیوں کا بھی خدا ہے اور امریکنوں کا بھی خدا ہے۔ اور ہمیں یہ بھول جاتا ہے کہ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ میں جن جہانوں کا ذکر کیا گیا ہے وہ زمانہ کے لحاظ سے بھی ہو سکتے ہیں۔

پس اِس کے ایک معنے یہ بھی ہیں کہ وہ خدا آدم علیہ السلام کے زمانہ کے لوگوں کا بھی خدا تھا اور وہ خدا نوح علیہ السلام کے زمانہ کے لوگوں کا بھی خدا تھا اور وہ خدا ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ کے لوگوں کا بھی خدا تھا اور وہ خدا موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کے لوگوں کا بھی خدا تھا اور وہ خدا عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کے لوگوں کا بھی خدا تھا اور وہ خدا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے لوگوں کا بھی خدا تھا اور وہ خدا ہمارے زمانہ کے لوگوں کا بھی خدا ہے اور وہ خدا بعد میں آنے والے لوگوں کا بھی خدا ہو گا۔ اور جو خدا آدم علیہ السلام کے زمانہ کے لوگوں کا بھی خدا تھا اور ہمارے زمانہ کے لوگوں کا بھی خدا ہے اور بعد میں آنے والے لوگوں کا بھی خدا ہو گا صاف ثابت ہوتا ہے کہ وہ ایک زندہ خدا ہے۔ اگر وہ زندہ خدا نہ ہوتا تو آدمؑ سے لے کر اب تک ہر زمانہ کے لوگوں کا وہ کس طرح خدا ہو سکتا ہے۔ پس اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ میں اِس بات پر بھی زور دیا گیا ہے کہ قرآن جس خدا کو پیش کرتا ہے وہ ایک زندہ خدا ہے اور ہر زمانہ کے لوگ اس سے ویسا ہی فائدہ اُٹھا سکتے ہیں جیسے پہلے لوگ فائدہ اُٹھاتے رہے ہیں۔ چنانچہ اس ہفتہ میں مجھے ایک مبلغ کی طرف سے ایک چٹھی آئی ہے جس سے پتا لگتا ہے کہ کس طرح ہمارا خدا ایک زندہ خدا ہے۔ اس کے بعد اپنا ایک ذاتی واقعہ اس کے ثبوت کے طور پر بیان کروں گا۔

وہ لکھتے ہیں کہ ہم نے یہاں اخبار جاری کیا اور چونکہ ہمارے پاس کوئی پریس نہیں تھا اس لیے عیسائیوں کے پریس میں وہ اخبار چھپنا شروع ہوا۔ دو چار پرچوں تک تو وہ برداشت کرتے چلے گئے لیکن جب یہ سلسلہ آگے بڑھا تو پادریوں کا ایک وفد اس پریس کے مالک کے پاس گیا اور انہوں نے کہا تمہیں شرم نہیں آتی کہ تم اپنے پریس میں ایک احمدی اخبار شائع کر رہے ہو جس نے عیسائیوں کی جڑوں پر تبر رکھا ہوا ہے۔ چنانچہ اُسے غیرت آئی اور اُس نے کہہ دیا کہ آئندہ میں تمہارا اخبار اپنے پریس میں نہیں چھاپوں گا کیونکہ پادری اس پر بُرا مناتے ہیں۔ جب اخبار چَھپنا بند ہو گیا تو عیسائیوں کو اس سے بڑی خوشی ہوئی اور انہوں نے ہمیں جواب دینے کے علاوہ اپنے اخبار میں بھی ایک نوٹ لکھا کہ ہم نے تو احمدیوں کا اخبار چھاپنا بند کر دیا ہے۔ اب ہم دیکھیں گے کہ اسلام کا خدا ان کے لیے کیا سامان پیدا کرتا ہے۔

یعنی پہلے ان کا اخبار ہمارے پریس میں چھپ جایا کرتا تھا۔ اب چونکہ ہم نے انکار کر دیا ہے اور ان کے پاس اپنا پریس کوئی نہیں اس لیے اب ہم دیکھیں گے کہ یہ جو مسیح کے مقابلہ میں اپنا خدا پیش کیا کرتے ہیں اس کی کیا طاقت ہے۔ اگر اس میں کوئی قدرت ہے تو وہ ان کے لیے خود سامان پیدا کرے۔ وہ مبلغ لکھتے ہیں کہ جب میں نے یہ پڑھا تو میرے دل کو سخت تکلیف محسوس ہوئی اور میں نے سمجھا کہ گو ہماری یہاں تھوڑی سی جماعت ہے لیکن بہرحال میں انہی کے پاس جا سکتا ہوں اور کہہ سکتا ہوں کہ اِس موقع پر وہ ہماری مدد کریں تا کہ ہم اپنا پریس خرید سکیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں میں نے لاری کا ٹکٹ لیا اور پونے تین سو میل پر ایک احمدی کے پاس گیا تا کہ اُسے تحریک کروں کہ وہ اِس کام میں حصہ لے۔ یہ شخص جس کے پاس ہمارا مبلغ گیا کسی زمانہ میں احمدیت کا شدید مخالف ہوا کرتا تھا۔ اِتنا سخت مخالف کہ ایک دفعہ کوئی احمدی اُس کے ساتھ دریا کے کنارے جا رہا تھا کہ اُس احمدی نے اسے تبلیغ شروع کر دی۔ وہ دریا کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگا کہ دیکھو! یہ دریا اِدھر سے اُدھر بہہ رہا ہے۔ اگر یہ دریا یکدم اپنا رُخ بدل لے اور نیچے سے اوپر کی طرف اُلٹا بہنا شروع کر دے تو یہ ممکن ہے لیکن میرا احمدی ہونا ناممکن ہے۔ مگر کچھ دنوں کے بعد ایسا اتفاق ہوا کہ کوئی بڑا عالم فاضل نہیں بلکہ ایک لوکل افریقن احمدی اُس سے ملا اور چند دن اُس سے باتیں کیں تو وہ احمدی ہو گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بھی اس کی مدد کی اور اس کی مالی حالت پہلے سے بہت اچھی ہوگئی۔ وہ افریقن اپنے گاؤں کا چیف یعنی رئیس ہے۔ مگر ہمارے ملک کے رئیسوں اور ان کے رئیسوں میں فرق ہوتا ہے۔ اُن کے رئیس اور چیف عموماً ایسے ہی ہوتے ہیں جیسے ہمارے ہاں نمبردار اور سفید پوش ہوتے ہیں۔ گو بعض چیف بڑے بڑے بھی ہوتے ہیں۔ مثلاً لندن میں میری ریسپشن (RECEPTION) کے موقع پر جو افریقن چیف آیا اُس کے ماتحت تین لاکھ آدمی تھا۔ گویا ریاست پٹیالہ سے بھی بڑی ریاست اس کے ماتحت تھی۔ پس بے شک بعض بڑے بڑے چیف بھی ہوتے ہیں لیکن عموماً وہ ایسے ہی ہوتے ہیں جیسے نمبردار اور سفید پوش ہوتے ہیں۔ جب ہم ان کے متعلق چیف کا لفظ استعمال کرتے ہیں تو بعض احمدی اس سے دھوکا کھا جاتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ اس سے کوئی بہت بڑا رئیس مراد ہے حالانکہ

اس کے معنے صرف ایک چھوٹے نمبردار کے ہوتے ہیں۔ وہاں قاعدہ یہ ہے کہ لوگ اپنے چیف کا خود انتخاب کرتے ہیں۔ گاؤں والے اپنے چیف کا انتخاب کرتے ہیں اور شہروں والے اپنے چیف کا انتخاب کرتے ہیں۔ گاؤں کا چیف چھوٹا چیف ہوتا ہے۔ قصبہ کا چیف اس سے بڑا چیف ہوتا ہے اور شہروں کے چیف ان سے بڑے ہوتے ہیں۔ پھر ہر ضلع کے الگ الگ چیف ہوتے ہیں جنہیں پیرامونٹ چیف کہتے ہیں یعنی راجوں کا راجہ۔ بہرحال وہ مبلغ لکھتے ہیں کہ میں اس چیف کی طرف گیا جو ابھی تھوڑا ہی عرصہ ہوا احمدیت میں داخل ہوا تھا اور جو کسی زمانہ میں احمدیت کا اِتنا مخالف ہوا کرتا تھا کہ اُس نے یہ کہا تھا کہ دریا اپنا رُخ بدل سکتا ہے اور وہ نیچے سے اوپر کی طرف بہہ سکتا ہے لیکن میں احمدی نہیں ہوسکتا۔ اللہ تعالیٰ کی شان دیکھو کہ جونہی وہ احمدی ہوا اُس کی زمین میں سے ہیروں کی کان نکل آئی اور گو قانون کے مطابق گورنمنٹ نے اُس پر قبضہ کر لیا مگر اُسے کچھ رائلٹی (ROYALTY) وغیرہ دینی پڑی جس سے یکدم اس کی مالی حالت اچھی ہونی شروع ہوگئی اور جماعتی کاموں میں بھی اس نے شوق سے حصہ لینا شروع کر دیا۔ بہرحال وہ لکھتے ہیں کہ میں اس کی طرف جا رہا تھا کہ خدا تعالیٰ نے ایسا فضل کیا کہ ابھی اس کا گاؤں آٹھ میل پرے تھا کہ وہ مجھے ایک دوسری لاری میں بیٹھا ہوا نظر آ گیا اور اُس نے بھی مجھے دیکھ لیا۔ اُس وقت وہ اپنے کسی کام کے سلسلہ میں کہیں جا رہا تھا۔ وہ مجھے دیکھتے ہی لاری سے اُتر پڑا اور کہنے لگا کہ آپ کس طرح تشریف لائے ہیں؟ میں نے کہا کہ اِس طرح ایک عیسائی اخبار نے لکھا ہے کہ ہم نے تو ان کا اخبار چھاپنا بند کر دیا ہے۔ اگر مسیح کے مقابلہ میں ان کے خدا میں بھی کوئی طاقت ہے تو وہ کوئی معجزہ دکھا دے۔ وہ کہنے لگا آپ یہیں بیٹھیں میں ابھی گاؤں سے ہو کر آتا ہوں۔ چنانچہ وہ گیا اور تھوڑی دیر کے بعد ہی اُس نے پانچ سَو پونڈ لا کر ہمارے مبلغ کو دے دیا۔ پانچ سَو پونڈ وہ اس سے پہلے دے چکا تھا۔ گویا تیرہ ہزار کے قریب روپیہ اُس نے دے دیا اور کہا کہ میری خواہش ہے کہ آپ پریس کا جلدی انتظام کریں تا کہ ہم عیسائیوں کو جواب دے سکیں کہ اگر تم نے ہمارا اخبار چھاپنے سے انکار کر دیا تھا تو اب ہمارے خدا نے بھی ہمیں اپنا پریس دے دیا ہے۔ ایک ہزار پونڈ ہمارے ملک کی قیمت کے لحاظ سے تیرہ ہزار روپیہ بنتا ہے اور یہ اِتنی بڑی رقم ہے کہ بڑے بڑے تاجر بھی اِتنا

روپیہ دینے کی اپنے اندر توفیق نہیں پاتے۔ وہ بڑے مالدار ہوتے ہیں مگر اِتنا چندہ دینے کی ان میں ہمت نہیں ہوتی۔انہوں نے یہ بھی لکھا کہ اس سے پہلے جب اس چیف نے پانچ سَو پونڈ چندہ دیا تھا تو میں ایک شامی تاجر سے بھی ملا تھا۔ میں نے اُسے تحریک کی کہ وہ بھی اس کام میں حصہ لے۔ اور میں نے اُسے کہا کہ فلاں گاؤں کا جو رئیس ہے اُس نے پانچ سَو پونڈ چندہ دیا ہے۔ وہ کہنے لگا کہ میری طرف سے بھی آپ پانچ سَو پونڈ لکھ لیں اور پھر کہا کہ میں اِس وقت پانچ سَو پونڈ لکھواتا ہوں مگر میں دوں گا اُس چیف سے زیادہ۔

یہ کتنا بڑا ثبوت ہے اِس بات کا کہ ہمارا خدا ایک زندہ خدا ہے۔ ایک معمولی گاؤں کا چیف ہے اور پھر احمدیت کا اِتنا مخالف ہے کہ کہتا ہے کہ اگر دریا اُلٹا چلنے لگے تو یہ ممکن ہے لیکن یہ ممکن ہی نہیں کہ میں احمدی ہوسکوں۔ مگر پھر خداتعالیٰ اسے احمدیت میں داخل ہونے کی توفیق عطا فرماتا ہے اور نہ صرف احمدیت میں داخل ہونے کی توفیق عطا فرماتا ہے بلکہ یکدم اسے ہزاروں روپیہ سلسلہ کو پیش کرنے کی توفیق مل جاتی ہے۔ یہ تو ایک بیرونی ملک کی مثال ہے جو بتاتی ہے کہ ہمارا خدا کس طرح ایک زندہ خدا ہے اور وہ اپنے بندوں کی کیسے معجزانہ رنگ میں تائید اور نصرت فرماتا ہے۔ اب میں اپنی مثال بیان کرتا ہوں۔

میں نے پچھلے دنوں تحریک جدید کے بیرونی مشنوں کے متعلق ایک خطبہ پڑھا تھا جس میں مَیں نے ذکر کیا تھا کہ تحریک جدید کے پاس بیرونی مشنوں کے لیے اِتنا کم روپیہ رہ گیا ہے کہ شاید اب ہمیں اپنے مشن بند کرنے پڑیں مگر اِدھر میں نے یہ خطبہ پڑھا اور اُدھر اللہ تعالیٰ کا فضل دیکھو کہ ایک دن میں نے ڈاک کھولی تو اس میں ہمارے ایک مبلغ کا خط نکلا جس میں اُس نے لکھا کہ ایک جرمن ڈاکٹر نے احمدیت کے متعلق کچھ لٹریچر پڑھا تو اُس نے ہمیں لکھا کہ مجھے اَور لٹریچر بھجواؤ۔ چنانچہ اِس پر میں نے آپ کا لکھا ہوا دیباچہ قرآن اُسے بھجوا دیا۔ دیباچہ پڑھ کر اُس نے لکھا کہ میں چاہتا ہوں کہ اِس کو اپنے ملک میں چھاپا جائے اور بڑی کثرت سے یہاں پھیلایا جائے اور میں اِس بارہ میں آپ کی ہر طرح مدد کرنے کے لیے تیار ہوں۔ پھر اُس نے لکھا کہ یہاں بیس لاکھ جرمن نسل کے مسلمان پائے جاتے ہیں۔اگر دیباچہ کا یہاں کی زبان میں ترجمہ ہو جائے تو بیس لاکھ مسلمان عیسائیوں کے ہاتھ میں جانے

سے بچ جائے گا اور وہ احمدیت کو قبول کر لے گا۔ گویا ہم تو یہ ڈر رہے تھے کہ کہیں خدانخواستہ ہمارے پہلے مشن بھی بند نہ ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ نے ہماری تبلیغ کے لیے نئے راستے کھول دیئے۔

پھر جب خطبہ شائع ہوا تو باہر سے بھی اور اندر سے بھی ہمارے خدا کے زندہ ہونے کی کثرت سے مثالیں ملنی شروع ہوگئیں۔ ایک غیراحمدی کا خط آیا کہ میں نے آپ کا خطبہ پڑھا تو میرا دل کانپ گیا کہ آپ کو اسلام اور مسلمانوں کی تکلیف کی وجہ سے کس قدر دُکھ ہوا ہے۔ میں سَو روپیہ کا چیک آپ کو بھجوا رہا ہوں آپ اِس روپیہ کو جس طرح چاہیں خرچ کریں۔ پھر ایک اَور خط کھولا تو وہ ایک احمدی کا تھا اور اُس میں یہ لکھا تھا کہ میں سَو روپیہ بھجوا رہا ہوں تاکہ بیرونی مشنوں کے اخراجات میں جو کمی آئی ہے وہ اِس سے پوری ہو سکے۔ پھر ایک عورت کا خط آیا کہ میں پچاس روپے بھجوا رہی ہوں تاکہ جو نقصان ہوا ہے اُس کا ازالہ ہو سکے۔ پھر چوتھا خط میں نے کھولا تو اس میں ایک ترکی پروفیسر کا ذکر تھا۔ ہمارا ایک احمدی اِن دنوں ایک تُرکی پروفیسر سے تُرکی زبان سیکھ رہا ہے اور ایک سَوبیس روپیہ ماہوار اُسے ٹیوشن دیتا ہے۔ وہ تُرکی پروفیسر اسلام کا دشمن تھا اور رات دن اسلام اور ہستی باری تعالیٰ پر اعتراض کرتا رہتا تھا۔ وہ احمدی لکھتا ہے کہ میں نے ایک دن فیصلہ کیا کہ چاہے میری پڑھائی ضائع ہو جائے میں نے آج اس سے مذہبی بحث کرنی ہے۔ چنانچہ میں اس سے بحث کرتا رہا اور پھر میں نے اُسے آپ کا لکھا ہوا دیباچہ قرآن دیا کہ وہ اسے پڑھے۔ وہ دیباچہ لے گیا اور پڑھنے کے بعد مجھے کہنے لگا کہ میں آج سے پھر مسلمان ہوگیا ہوں۔ پھر جب مہینہ ختم ہوا اور میں اسے روپیہ دینے کے لیے گیا تو وہ کہنے لگا کہ تم مجھ پر یہ مہربانی کرو کہ یہ روپیہ میری طرف سے اپنے امام کو بھجوا دو اور انہیں کہو کہ وہ جس طرح چاہیں اس روپیہ کو خرچ کریں۔ اب دیکھو ایک دہریہ انسان ہے، خداتعالیٰ پر رات دن ہنسی اُڑاتا رہتا ہے، اسلام سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتا لیکن اس پر ایسا اثر ہوتا ہے کہ جب اسے ٹیوشن کی فیس پیش کی جاتی ہے تو وہ کہتا ہے کہ یہ روپیہ مجھے نہ دو بلکہ اپنے امام کے پاس بھیج دو اور انہیں کہو کہ وہ اسے جس طرح چاہیں خرچ کریں۔

اِس کے بعد میں نے جو پانچواں خط کھولا وہ ایک احمدی دوست کا تھا جو انڈونیشیا سے

بھی پرے رہتے ہیں۔ انہوں نے لکھا کہ یہ اطلاع ملتے ہی کہ بیرونی مشنوں کو جو روپیہ بھجوایا جاتا تھا اُس میں کمی آ گئی ہے میں نے اڑھائی سَو پونڈ لندن بنک میں تحریک جدید کے حساب میں جمع کروا دیا ہے۔ میری خواہش تھی کہ میں چھ سَو پونڈ جمع کراؤں مگر سرِ دست فوری طور پر میں نے اڑھائی سَو پونڈ بنک میں جمع کرا دیا ہے۔ پھر چھٹا خط میں نے کھولا تو وہ ایک ایسے دوست کی طرف سے تھا جو پاکستان سے باہر کے رہنے والے ہیں۔ انہوں نے لکھا کہ آپ اِس فکر میں اپنی صحت کیوں برباد کر رہے ہیں۔ ہماری جائیدادیں اور ہمارے بیوی بچے کس غرض کے لیے ہیں۔ ہم ان سب کو قربان کرنے کے لیے تیار ہیں۔ آپ پونڈوں کا فکر نہ کریں آپ جتنے پونڈ چاہیں ہم جمع کر دیں گے اور اس بارہ میں آپ کو کسی قسم کی تکلیف نہیں ہونے دیں گے۔ غرض اِس طرح متواتر خطوط آنے شروع ہو گئے ہیں کہ صاف معلوم ہوتا ہے اس خطبہ کے پہنچتے ہی تمام جماعتوں میں ایک آگ سی لگ گئی ہے اور لوگ انتہائی بیتابی کے ساتھ اِس کمی کو پورا کرنے کے لیے آگے بڑھ رہے ہیں۔

اِسی طرح پشاور سے ایک دوست کا خط آیا جس میں انہوں نے لکھا کہ یہ خطبہ پڑھ کر مجھے سخت تکلیف ہوئی ہے۔ اگر تمام احمدی کوشش کریں تو کیا وہ سات ہزار دوسَو پونڈ بھی جمع نہیں کر سکتے؟ ہم خداتعالیٰ کے فضل سے اس کام کے لیے پوری طرح تیار ہیں اور ہم خود اِس روپیہ کو جمع کریں گے۔ آپ اِس بارہ میں کسی قسم کی تشویش سے کام نہ لیں۔

یہ تو کل اور پرسوں کی ڈاک کا ذکر تھا۔ آج ڈاک آئی اور میں نے اسے کھولا تو اس میں سے ایک شہر کی خدام الاحمدیہ کی مجلس کی طرف سے خط نکلا جس میں ذکر تھا کہ ہم نے آپ کا خطبہ تمام خدام کو پڑھ کر سنایا جس پر فوراً مقامی خدام نے دوسَو روپیہ چندہ کے وعدے لکھوا دیئے اور ہم کوشش کر رہے ہیں کہ یہ روپیہ وصول کر کے بہت جلد مرکز میں بھجوا دیں۔ انہوں نے یہ چندہ گو ہیمبرگ کی مسجد کے لیے جمع کیا ہے مگر بہرحال وہ بھی اِسی کام میں شامل ہے۔

غرض دیکھو! ہمارا خدا کیسا زندہ خدا ہے کہ جو کام ہم نہیں کر سکتے تھے اس کے لیے وہ آپ سامان مہیا کر رہا اور خود لوگوں کے دلوں میں تحریک کر رہا ہے۔ چنانچہ ایک طرف

ایک ٹرکی پروفیسر کے دل میں تحریک پیدا ہوتی ہے کہ وہ اپنی کمائی کا روپیہ اپنی ذات پر خرچ کرنے کی بجائے تبلیغِ اسلام کے لیے بھجوا دے تو دوسری طرف ایک جرمن ڈاکٹر کے دل میں تحریک پیدا ہوتی ہے کہ ہم خود اسلام کی اشاعت میں حصہ لینے کے لیے تیار ہیں۔ آپ دیباچہ کا ترجمہ ہماری ملکی زبان میں کروا دیں تو لاکھوں لوگ احمدی ہونے کے لیے تیار ہیں۔ اِسی طرح جو پاکستان سے باہر احمدی رہتے ہیں اُن کے دل میں تحریک پیدا ہوتی ہے اور وہ لکھتے ہیں کہ آپ کیوں فکر کرتے ہیں۔ آپ ہمیں حکم دیں تو ہم اپنے بیوی بچے بھی اِس راہ میں قربان کرنے کے لیے تیار ہیں اور جتنے پونڈ چاہیں گے ہم جمع کر دیں گے مگر ہم سے یہ تکلیف نہیں دیکھی جاتی کہ آپ فکر اور تشویش سے اپنی صحت کو بھی برباد کر لیں۔ غرض اللہ تعالیٰ نے اپنے زندہ اور قادر ہونے کا ایک نمایاں ثبوت ہمارے سامنے پیش کر دیا ہے اور بتا دیا ہے کہ وہ کتنی بڑی طاقتیں رکھنے والا خدا ہے۔

پھر دیکھو ایک عیسائی اخبار نے چیلنج دیا کہ تم نے عیسائیت کا مقابلہ شروع کر رکھا تھا۔ اب جبکہ عیسائی پریس نے تمہارا اخبار شائع کرنے سے انکار کر دیا ہے ہم دیکھیں گے کہ تمہارا خدا تمہاری کیا مدد کرتا ہے۔ اِدھر اس نے یہ چیلنج دیا اور اُدھر فوراً اللہ تعالیٰ نے ایک معمولی درجہ کے رئیس کے دل میں غیرت پیدا کر دی اور اس نے تیرہ ہزار اسلامی پریس کے لیے چندہ دے دیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے بڑے بھاری نشانات ہیں جن سے اُس کی ہستی کا ثبوت ملتا ہے اور اِس سے پتا لگتا ہے کہ وہ جہاں چاہتا ہے لوگوں کے دلوں میں قربانی اور ایثار کا مادہ پیدا کر دیتا ہے جس کے نتیجہ میں وہ ایسی ایسی قربانیوں کے لیے تیار ہو جاتے ہیں کہ انہیں دیکھ کر حیرت آتی ہے۔ پس ہماری جماعت کو ہمیشہ وہ سبق یاد رکھنا چاہیے جو اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ میں دیا گیا ہے اور اس بات کو کبھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیے کہ خدا تعالیٰ کی تعریف اسی وجہ سے ہے کہ وہ ہر زمانہ کے لوگوں کے لیے ایک زندہ خدا ہے۔ اگر یہ نہ ہوتا تو ہم اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کس طرح کہہ سکتے تھے۔ اگر وہ صرف آدمؑ کے زمانہ میں زندہ خدا تھا تو نوحؑ کے زمانہ میں لوگ اس کی کیوں تعریف کرتے؟ اور اگر وہ صرف نوحؑ کے زمانہ میں زندہ خدا تھا تو ابراہیمؑ کے زمانہ میں لوگ اس کی کیوں تعریف کرتے؟ اور اگر وہ صرف

ابراہیمؑ کے زمانہ میں زندہ خدا تھا تو موسیٰؑ کے زمانہ میں لوگ اس کی کیوں تعریف کرتے؟ اور اگر وہ صرف موسیٰؑ کے زمانہ میں زندہ خدا تھا تو عیسیٰؑ کے زمانہ میں لوگ اس کی کیوں تعریف کرتے؟ اور اگر وہ صرف عیسیٰؑ کے زمانہ میں زندہ خدا تھا تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانہ میں لوگ اس کی کیوں تعریف کرتے؟ اور اگر وہ صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانہ میں زندہ خدا تھا تو آج کے زمانہ کے لوگ اس کی کیوں تعریف کرتے؟ وہ زندہ ہے اور زندہ رہے گا اور ہر زمانہ کے لوگ اس کی تعریف کرتے چلے جائیں گے اور اس کے نشانات سے اپنے ایمانوں کو تازہ کرتے رہیں گے۔ اور جب بھی اُس کے بندے مشکلات میں پھنسیں گے اور اس کے دین پر تکلیف کا زمانہ آئے گا وہ اپنے مخفی الہام سے انسانوں کے دلوں میں تحریک کرے گا کہ اُٹھو اور میرے دین کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو جاؤ اور سچے مومن لبیک کہتے ہوئے اس کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو جائیں گے اور دین کو مشکلات سے نکال لیں گے۔ یہاں تک کہ دنیا حیران ہو جائے گی اور شیطان مایوسی سے مر جائے گا۔

جب 1953ء میں فسادات ہوئے تو اُس وقت میں نے بڑے زور سے اعلان کیا کہ اے احمدیو! تم گھبراؤ نہیں میں دیکھتا ہوں کہ خدا ہماری مدد کے لیے دوڑا چلا آ رہا ہے۔ اور میرے اس اعلان کے معاً بعد لاہور میں مارشل لاء نافذ ہو گیا۔ اُس وقت بعض افسروں نے کہا کہ آپ کے اس فقرہ سے اشتعال پیدا ہوتا ہے۔ میں نے اُن کو جواب دیا کہ جب مجھے خدا آتا ہوا نظر آتا ہے تو کیا میں جھوٹ بولوں؟ خداتعالیٰ ہمیشہ ہی اپنے سچے بندوں کی مدد کے لیے آیا کرتا ہے اور اب بھی آئے گا اور ہمیشہ ہی آتا رہے گا۔ اگر یہ سلسلہ جاری نہ ہو تو خداتعالیٰ کے دین کے خادم تباہ ہو جائیں اور ان کے دل غم سے ٹوٹ جائیں۔

غرض اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کے نشانات ہمیشہ دکھاتا چلا آیا ہے اور دکھاتا چلا جائے گا۔ اور جب وہ دکھاتا ہے تو بڑے بڑے سخت دل لوگوں کو بھی اقرار کرنا پڑتا ہے کہ ہمارا خدا ایک زندہ خدا ہے۔ بیسیوں نہیں سینکڑوں غیر احمدی ایسے ہیں جو فسادات کے بعد مجھے ملے اور انہوں نے کہا کہ ہمیں آپ کا وہ فقرہ اب تک یاد ہے کہ تم مت گھبراؤ میں دیکھ رہا ہوں کہ خدا ہماری مدد کے لیے دوڑا چلا آ رہا ہے۔ جب مارشل لاء نافذ ہوا اور فوجیں لاہور میں

داخل ہوگئیں تو ہم نے سمجھ لیا کہ آپ کی وہ پیشگوئی پوری ہوگئی ہے اور خدا تعالیٰ نے اس کو لفظاً لفظاً سچا ثابت کر دیا ہے۔

غرض ہمارا خدا ایک زندہ خدا ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔ وہ آدمؑ کے زمانہ میں بھی زندہ تھا، وہ نوحؑ کے زمانہ میں بھی زندہ تھا، وہ ابراہیمؑ کے زمانہ میں بھی زندہ تھا، وہ موسیٰؑ کے زمانہ میں بھی زندہ تھا، وہ عیسیٰؑ کے زمانہ میں بھی زندہ تھا، وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانہ میں بھی زندہ تھا، اور وہ آج بھی زندہ ہے۔ اور اگر دنیا اَور ہزار سال تک قائم رہے گی تو ہزار سال تک اور اگر ایک کروڑ سال تک قائم رہے گی تو کروڑ سال تک اور اگر ایک اَرب سال تک قائم رہے گی تو ایک اَرب سال تک وہ اپنی زندگی کے نشانات دکھاتا چلا جائے گا کیونکہ وہ حیّ وقیّوم خدا ہے اور وہ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ 2 کا مصداق ہے۔ اُس پر جب اونگھ اور نیند بھی نہیں آتی تو اس کے زندہ نشانات کا سلسلہ کس طرح ختم ہوسکتا ہے۔ جب ایسے خدا سے انسان اپنا تعلق پیدا کر لیتا ہے تو اُس کی ساری ضرورتوں کا وہ آپ کفیل ہو جاتا ہے اور ہمیشہ اس کی تائید کے لیے اپنے غیر معمولی نشانات ظاہر کرتا ہے۔

ہم نے دیکھا ہے حضرت خلیفہ اول کے پاس اکثر لوگ اپنی امانتیں رکھواتے تھے اور آپ اُس میں سے ضرورت پر خرچ کرتے رہتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اِس طرح رزق دیتا رہتا ہے۔ بعض دفعہ ہم نے دیکھا کہ امانت رکھوانے والا آپ کے پاس آتا اور کہتا کہ مجھے روپیہ کی ضرورت ہے میری امانت مجھے واپس دے دی جائے۔ آپ کی طبیعت بڑی سادہ تھی اور معمولی سے معمولی کاغذ کو بھی آپ ضائع کرنا پسند نہیں فرماتے تھے۔ جب کسی نے مطالبہ کرنا تو آپ نے ردّی سا کاغذ اُٹھانا اور اُسی پر اپنی بیوی کو لکھ دینا کہ امانت میں سے دوسَو روپیہ بھجوا دیا جائے۔ اندر سے بعض دفعہ جواب آتا کہ روپیہ تو خرچ ہو چکا ہے یا اتنے روپے ہیں اور اتنے روپوں کی کمی ہے۔ آپ نے اُسے فرمانا کہ ذرا ٹھہرو ابھی روپیہ آ جاتا ہے۔ اتنے میں ہم نے دیکھنا کہ کوئی شخص دھوتی باندھے ہوئے جونا گڑھ یا بمبئی کا رہنے والا چلا آ رہا ہے اور اُس نے آ کر اُتنا ہی روپیہ آپ کو پیش کر دیا ہے۔

ایک دن لطیفہ ہوا کسی نے اپنا روپیہ مانگا اُس دن آپ کے پاس کوئی روپیہ نہیں تھا۔

مگر اُسی وقت ایک شخص علاج کے لیے آ گیا اور اُس نے ایک پُڑیا میں کچھ رقم لپیٹ کر آپ کے سامنے رکھ دی۔ حافظ روشن علی صاحب کو علم تھا کہ روپیہ مانگنے والا کتنا روپیہ مانگتا ہے۔ آپ نے حافظ صاحب سے فرمایا کہ دیکھو اِس میں کتنی رقم ہے؟ انہوں نے گِنا تو کہنے لگے بس! اتنی ہی رقم ہے جتنی رقم کی آپ کو ضرورت تھی۔ آپ نے فرمایا یہ اس قارض کو دے دو۔

اِسی طرح آپ ایک پرانے بزرگ کا قصہ سنایا کرتے تھے کہ ایک دفعہ ایک قرض خواہ اُن کے پاس آ گیا اور اُس نے کہا کہ آپ نے میری اتنی رقم دینی ہے اور اس پر اتنا عرصہ گزر چکا ہے۔ اب آپ میرا روپیہ ادا کریں۔ انہوں نے کہا کہ میرے پاس تو ہے نہیں جب آئے گا تمہیں دے دوں گا۔ وہ کہنے لگا تم بڑے بزرگ بنے پھرتے ہو اور قرض لے کر ادا نہیں کرتے، یہ کہاں کی شرافت ہے۔ اتنے میں وہاں ایک حلوا بیچنے والا لڑکا آ گیا۔ انہوں نے اسے کہا کہ آٹھ آنے کا حلوا دے دو۔ لڑکے نے حلوا دے دیا اور انہوں نے وہ حلوا اُس قارض کو کِھلا دیا۔ لڑکا کہنے لگا کہ میرے پیسے میرے حوالے کیجیے۔ وہ کہنے لگے کہ تم آٹھ آنے مانگتے ہو اور میرے پاس تو دو آنے بھی نہیں۔ وہ لڑکا شور مچانے لگ گیا۔ یہ دیکھ کر وہ قرض خواہ کہنے لگا کہ یہ کیسی بے حیائی ہے کہ میری رقم تو ماری ہی تھی اِس غریب کی اَٹھنّی بھی ہضم کر لی ہے۔ غرض وہ دونوں شور مچاتے رہے اور وہ بزرگ اطمینان سے اپنی جگہ بیٹھے رہے۔ اتنے میں ایک شخص آیا اور اُس نے اپنی جیب میں سے ایک پُڑیا نکال کر انہیں پیش کی اور کہا کہ یہ فلاں امیر نے آپ کو نذرانہ بھیجا ہے۔ انہوں نے اُسے کھولا تو اُس میں روپے تو اُتنے ہی تھے جتنے قرض خواہ مانگتا تھا مگر اس میں اَٹھنّی نہیں تھی۔ کہنے لگے یہ میری پُڑیا نہیں اسے واپس لے جاؤ۔ یہ سنتے ہی اُس کا رنگ فق ہو گیا اور اس نے جھٹ اپنی جیب سے ایک دوسری پُڑیا نکالی اور کہنے لگا کہ مجھ سے غلطی ہو گئی ہے۔ آپ کی پُڑیا یہ ہے۔ انہوں نے اُسے کھولا تو اُس میں اُتنے ہی روپے تھے جو قارض مانگ رہا تھا اور ایک اَٹھنّی بھی تھی۔ انہوں نے دونوں کو بلایا اور وہ روپے انہیں دے دیئے۔

غرض زندہ خدا اپنے بندوں کی تائید میں ہمیشہ اپنے نشانات دکھاتا ہے۔ انسان بعض دفعہ اپنی بیماری یا کمزوریٔ ایمان کی وجہ سے گھبرا جاتا ہے لیکن جس کے ساتھ خدا ہوتا ہے

وہ اُس کی غیب سے مدد کرتا ہے۔ میرے لیے یہ سخت صدمہ اور رنج کی بات تھی کہ تحریک جدید کے بیرونی مشنوں کے لیے ہمارے پاس کوئی خرچ نہیں رہا۔ چنانچہ کچھ دن میں خطرناک طور پر بیمار رہا۔ بلکہ ابھی تک طبیعت پوری طرح سنبھلی نہیں لیکن نشانِ الٰہی دیکھو کہ اِدھر مجھے فکر پیدا ہوا اور اُدھر اللہ تعالیٰ نے ساری دنیا میں لوگوں کے دلوں میں تحریک پیدا کرنی شروع کر دی۔ جن میں احمدی بھی تھے اور غیر احمدی بھی تھے اور پاکستانی بھی تھے اور غیر پاکستانی بھی تھے۔ کسی نے سَو پیش کیا، کسی نے سَوا سو، کسی نے ڈیڑھ سَو، کسی نے اڑھائی سَو پونڈ اور کسی نے غیر معیّن طور پر لکھ دیا کہ جتنے پونڈ آپ کہیں گے ہم جمع کر دیں گے۔ آپ فکر نہ کریں۔ دیکھو یہ خدا تعالیٰ کی قدرتوں کا کیسا عظیم الشان ثبوت ہے کہ اُس نے آپ ہی آپ سامان پیدا کرنے شروع دیئے اور لوگوں کے دلوں میں اخلاص اور محبت کی ایک لہر پیدا کر دی ورنہ انسان کے اندر کیا طاقت ہے کہ وہ کچھ کر سکے۔ ہمارے لیے بس اِتنا ہی کافی ہے کہ ہمیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل ایک زندہ اور قادر خدا کا دامن پکڑنے کی توفیق مل گئی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ہمیشہ اپنے والد صاحب کا ایک قصہ سنایا کرتے تھے۔ میاں بدرمحی الدین صاحب جو بٹالہ کے رہنے والے تھے ان کے والد جن کا نام غالباً پیر غلام محی الدین تھا ہمارے دادا کے بڑے دوست تھے۔ اُس زمانہ میں کمشنر موجودہ زمانہ کے گورنر کی طرح سمجھا جاتا تھا اور وہ امرتسر میں اپنا دربار لگایا کرتا تھا۔ جس میں علاقہ کے تمام بڑے بڑے رؤساء شامل ہوا کرتے تھے۔ ایک دفعہ امرتسر میں دربار لگا تو ہمارے دادا کو بھی دعوت آئی اور چونکہ انہیں معلوم تھا کہ پیر غلام محی الدین صاحب بھی اس دربار میں شامل ہوں گے اس لیے وہ گھوڑے پر سوار ہو کر بٹالہ میں اُن کے مکان پر پہنچے۔ وہاں انہوں نے دیکھا کہ ایک غریب آدمی پیر غلام محی الدین صاحب کے پاس کھڑا ہے اور وہ اس سے کسی بات پر بحث کر رہے ہیں۔ جب انہوں نے دادا صاحب کو دیکھا تو کہنے لگے مرزا صاحب! دیکھیے! یہ میراثی کیسا بیوقوف ہے۔ کمشنر صاحب کا دربار منعقد ہو رہا ہے اور یہ کہتا ہے کہ وہاں جا کر کمشنر صاحب سے کہا جائے کہ گورنمنٹ نے اس کی پچیس ایکڑ زمین ضبط کر لی ہے، یہ زمین

اسے واپس دی جائے۔ بھلا یہ کوئی بات ہے کہ دربار کا موقع ہو اور کمشنر صاحب تشریف لائے ہوئے ہوں اور ایک میراثی کو اُن کے سامنے پیش کر دیا جائے اور کہا جائے کہ اس کی پچیس ایکڑ زمین ضبط ہو گئی ہے وہ اسے واپس دلا دی جائے۔ چونکہ وہ پیر تھے گو درباری بھی تھے اس لیے انہیں یہ بات بہت عجیب معلوم ہوئی۔ دادا صاحب اُس میراثی سے کہنے لگے کہ تم میرے ساتھ چلو۔ چنانچہ وہ اُسے ساتھ لے کر امرتسر پہنچے۔ جب دربار لگا اور کمشنر صاحب آ گئے تو ہمارے دادا اُٹھ کر کمشنر کے پاس چلے گئے اور اپنے ساتھ اُس میراثی کو بھی لے لیا۔ اور کمشنر سے کہنے لگے کہ کمشنر صاحب! ذرا اِس کی بانہہ پکڑ لیں۔ وہ کہنے لگا مرزا صاحب! اِس کا کیا مطلب؟ انہوں نے کہا مطلب میں پھر بتاؤں گا پہلے آپ اس کی بانہہ پکڑ لیں۔ چنانچہ ان کے کہنے پر اُس نے میراثی کی بانہہ پکڑ لی۔ اِس پر ہمارے دادا صاحب کہنے لگے ہماری پنجابی زبان میں ایک مثال ہے کہ "بانہہ پھڑے دی لاج رکھنا"۔ کمشنر پھر حیران ہوا اور کہنے لگا اس کا کیا مطلب؟ وہ کہنے لگے اِس کا مطلب یہ ہے کہ جب آپ نے ایک شخص کا بازو پکڑا ہے تو پھر اس بازو پکڑنے کی لاج بھی رکھنا اور اسے چھوڑنا نہیں۔ وہ کہنے لگا مرزا صاحب! آپ یہ بتائیں کہ آپ کا اِس سے مقصد کیا ہے؟ انہوں نے کہا اس کی پچیس ایکڑ زمین تھی جو گورنمنٹ نے ضبط کر لی ہے۔ آپ لوگ مغل بادشاہوں کے قائم مقام ہیں اور مغل بادشاہوں کا یہ طریق تھا کہ وہ ہزاروں ایکڑ زمین لوگوں کو انعام کے طور پر دے دیا کرتے تھے۔ اب یہ غریب حیران ہے کہ ہم پر عجیب لوگ حاکم بن کر آ گئے ہیں کہ میرے پاس جو پہلے پچیس ایکڑ زمین تھی وہ بھی انہوں نے ضبط کر لی ہے۔ اُس پر ایسا اثر ہوا کہ اُس نے اُسی وقت اپنے میر منشی کو بلایا اور اُسے کہا کہ ابھی یہ بات نوٹ کر لو اور آرڈر دے دو کہ اس شخص کو زمین واپس دے دی جائے۔

اِسی طرح خدا تعالیٰ کے ساتھ تعلق رکھنا بھی "ہاتھ پھڑے دی لاج" رکھنے والی بات ہوتی ہے جس طرح کمشنر نے اُس میراثی کی بانہہ پکڑنے کے بعد اُس کی لاج رکھی اسی طرح خدا جس کی بانہہ پکڑے اُس کی بھی وہ لاج رکھ لیتا ہے۔ صرف اِتنی بات ہے کہ انسان اپنی کم حوصلگی کی وجہ سے بعض دفعہ گھبرا جاتا ہے ورنہ اللہ تعالیٰ جب دینے پر آتا ہے تو ایسے

ایسے رستوں سے دیتا ہے کہ حیرت آتی ہے۔ اب تو ہماری جماعت خداتعالیٰ کے فضل سے بڑی ترقی کر گئی ہے اور ہماری مثال حضرت عائشہؓ والی ہوگئی ہے۔ جب مدینہ میں پہلی دفعہ ہوائی چکیاں آئیں اور باریک آٹا پسنے لگا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ ازواجِ مطہرات میں سے سب سے پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ آٹا تحفۃً پیش کیا جائے۔ چنانچہ مدینہ میں سب سے پہلے یہ آٹا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر بھجوا دیا گیا اور اُس کے پُھلکے تیار کیے گئے۔ حدیثوں میں آتا ہے کہ اس سے پہلے پتھر پر دانے کوٹ کر دلیہ سا بنا لیا جاتا تھا اور اس کی روٹی تیار کی جاتی تھی۔ جب پہلی دفعہ نرم اور ملائم آٹے کی روٹی پکا کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے پیش کی گئی تو آپ نے اس میں سے ایک لقمہ توڑ کر اپنے منہ میں ڈالا اور پھر آپ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگ گئے۔ ایک عورت جو پاس بیٹھی ہوئی تھی وہ کہنے لگی بی بی! آپ روتی کیوں ہیں؟ روٹی تو بڑی ملائم اور نرم ہے اور ہم نے اس آٹے کی بڑی تعریف سنی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا میں اس لیے نہیں روئی کہ آٹا خراب ہے بلکہ مجھے اِس روٹی کو دیکھ کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ یاد آ گیا ہے۔ ہم اس زمانہ میں دانوں کو پتھروں سے کچل کر دلیہ سا بنا لیتی تھیں اور اس کی روٹیاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کھلایا کرتی تھیں۔ آخری عمر میں جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ضعیف ہو گئے تو آپ کے لیے روٹی چبانا بڑا مشکل ہو گیا تھا۔ پس مجھے اس روٹی کو دیکھ کر رونا آ گیا اور مجھے خیال آیا کہ اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی یہ چکیاں ہوتیں تو میں آپؐ کو اس آٹے کی روٹی پکا کر کھلاتی۔

ہمارا بھی یہی حال ہے اب تو ہمارا صدرانجمن احمدیہ کا بجٹ چودہ پندرہ لاکھ کا ہے اور تحریک جدید کا بجٹ بھی بارہ تیرہ لاکھ کا ہوگیاہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں یہ کیفیت تھی کہ کئی مقامات پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ لکھا ہے کہ اب تو ہم پر اِتنا بوجھ ہے کہ پندرہ سَو روپیہ ایک مہینہ کا خرچ ہے۔ گویا اُس زمانہ میں اٹھارہ ہزار روپیہ کا سالانہ خرچ تھا اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اسے بڑا بوجھ قرار دیتے تھے۔ لیکن اِس زمانہ میں بعض ایسے احمدی ہیں کہ اُن میں سے ایک ایک اس بوجھ کو آسانی کے

ساتھ اُٹھا سکتا ہے۔ اُس وقت بعض دفعہ ایسی حالت ہوتی تھی کہ لنگر میں آٹا نہیں ہوتا تھا اور منتظمین کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں روپیہ کے لیے درخواست کرنی پڑتی تھی۔

1905ء میں جب زلزلہ آیا اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کچھ عرصہ کے لیے باغ میں تشریف لے گئے تو مجھے خوب یاد ہے ایک دن آپ باہر سے آئے تو اللہ تعالیٰ کی بڑی حمد وثنا کر رہے تھے۔ اُس وقت آپ نے حضرت اماں جان کو بلایا اور فرمایا یہ گٹھڑی لے لو اور دیکھو کہ اِس میں کتنی رقم ہے؟ حضرت اماں جان نے کمرہ سے باہر نکل کر بتایا کہ اس کپڑے میں چارسَو یا پانچ سَو کی رقم ہے۔ آپ نے فرمایا آج ہی لنگر والے آٹے کے لیے روپیہ مانگ رہے تھے اور میرے پاس کوئی روپیہ نہیں تھا اور میں حیران تھا کہ اس کا کیا انتظام ہوگا۔ اِتنے میں مَیں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک غریب آدمی جس نے میلے سے کپڑے پہنے ہوئے تھے آیا اور اس نے یہ گٹھڑی مجھے دے دی۔ میں نے سمجھا کہ اس میں پیسے ہی ہوں گے۔ لیکن اب معلوم ہوا کہ روپے تھے۔ اِس پر آپ دیر تک اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کرتے رہے کہ اُس نے کیسا فضل نازل فرمایا ہے۔ بیشک اِس وقت ہماری نگاہ میں چار سَو روپیہ کوئی حقیقت نہیں رکھتا لیکن اُس وقت ہم ان چیزوں کو دیکھتے تو ہمارا ایمان تازہ ہوتا تھا اور اب ہمیں اس سے سینکڑوں گنے زیادہ روپیہ ملتا ہے اور وہ روپیہ ہمارے ایمانوں کو بڑھاتا ہے۔ میں نے دیکھا ہے مجھے اپنی عمر میں بعض غیراحمدیوں نے دودو، تین تین، چارچار ہزار روپیہ نذرانہ کے طور پر دیا ہے لیکن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں یہ حالت تھی کہ آپ کو چار سَو روپیہ ملا تو آپ نے سمجھا کہ شاید اس میں پیسے ہی ہوں گے۔ ورنہ اتنا روپیہ کون دے سکتا ہے۔ آج اگر وہی زمانہ ہوتا تو وہ لوگ جو اِس وقت افسوس کر رہے ہیں اُن کو بھی قربانی کا موقع مل جاتا اور ہر شخص قربانی کر کے سمجھتا کہ مجھے خدا نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت کا موقع عطا فرما کر مجھ پر احسان فرمایا ہے لیکن وہ زمانہ تو گزر گیا۔ اب پھر ایک دوسرا زمانہ آ گیا ہے جس میں خداتعالیٰ اپنے بندوں کے لیے دین کی خدمت کے زیادہ سے زیادہ مواقع پیدا کر رہا ہے۔

بہرحال ہر زمانہ کے لحاظ سے خدا اپنی زندگی کا ثبوت دیتا چلا آیا ہے۔ اُس زمانہ میں چار سَو روپیہ کا مل جانا خداتعالیٰ کے زندہ ہونے کا ایک ثبوت تھا اور اس زمانہ میں کبھی کبھی چالیس پچاس ہزار روپے دے کر اُس نے اپنی زندگی کا ثبوت دیا ہے۔ اور آج خداتعالیٰ کے زندہ ہونے کا ثبوت دو اڑھائی سَو پونڈ ہیں جو ایک دوست نے اطلاع ملتے ہی لندن بنک میں جمع کروا دیئے۔ اِسی طرح اس ترکی پروفیسر کا وہ روپیہ بھی زندہ خدا کا ایک نشان ہے جو اُس نے اپنے اوپر خرچ کرنے کی بجائے مجھے دین پر خرچ کرنے کے لیے بھجوا دیا۔ اور یا پھر خداتعالیٰ کے زندہ ہونے کا ثبوت اُس حبشی چیف کا واقعہ ہے جس نے احمدیہ پریس کے لیے ایک ہزار پونڈ دوقسطوں میں دے دیا۔ اور یا پھر خداتعالیٰ کے زندہ ہونے کا ثبوت افریقہ کے اُس دوست کا خط ہے جنہوں نے یہ لکھا کہ آپ پریشان کیوں ہوتے ہیں۔ آپ روپیہ کے متعلق کسی قسم کی فکر نہ کریں۔ بیرونی مشنوں کے لیے جتنے پونڈوں کی ضرورت ہو ہمیں لکھیں ہم کسی نہ کسی طرح جمع کر دیں گے۔ غرض خداتعالیٰ ہر زمانہ میں اپنے زندہ ہونے کا ثبوت مہیا کرتا ہے اور اِس طرح وہ اپنے مومن بندوں کے ایمانوں کو بڑھاتا رہتا ہے۔

مجھے وہ زمانہ خوب یاد ہے جب اشتہار چھپوانے کے لیے بھی ہمارے پاس کوئی روپیہ نہیں ہوتا تھا۔ میں جب خلیفہ ہوا اور غیر مبائعین کے مقابلہ میں مَیں نے پہلا اشتہار لکھا تو اُس وقت ہماری مالی حالت اتنی کمزور تھی کہ اس اشتہار کے چھپوانے کے لیے بھی ہمارے پاس کوئی روپیہ نہیں تھا۔ ہمارے نانا جان میر ناصر نواب صاحب مرحوم کو اس کا علم ہوا جو اُس وقت ہسپتال اور مسجد کے لیے چندہ جمع کر رہے تھے۔ انہوں نے اڑھائی سَو روپیہ کی پوٹلی لا کر میرے سامنے رکھ دی اور کہا کہ آپ اِس روپیہ کو استعمال کر لیں۔ جب آپ کے پاس روپیہ آئے گا تو وہ مجھے دے دیں۔ چنانچہ پہلا اشتہار ہم نے انہی کے روپیہ سے شائع کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے وہ دن دکھایا کہ یا تو دوسَو اور اڑھائی سَو کے لیے ہمارے کام رُکے ہوئے تھے اور یا اَب ایک ایک شخص ہی بیس بیس ہزار روپیہ دینے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ مثلاً پچھلے سال میں بیمار ہوا تو ڈاکٹروں نے مجھے ولایت جانے کا مشورہ دیا۔ اِس پر اللہ تعالیٰ نے ہماری جماعت کو یہ توفیق عطا فرمائی کہ اس نے ایک لاکھ سے زیادہ روپیہ اس غرض کے لیے جمع کر دیا۔

غرض زمانے ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں اور بدلتے چلے جائیں گے۔ ایک زمانہ میں لوگ اَربوں اَرب روپیہ دیں گے اور انہیں پتا بھی نہیں لگے گا کہ اُن کے مال میں سے کچھ کم ہوا ہے کیونکہ دینے والے کھرب پتی ہوں گے اور جب وہ بیس یا تیس یا پچاس اَرب روپیہ دیں گے تو انہیں پتا بھی نہیں لگے گا کہ اُن کے خزانہ میں کوئی کمی آئی ہے۔ اُس وقت اُنہیں یاد بھی نہیں رہے گا کہ کسی زمانہ میں پچاس روپیہ کی ضرورت ہوتی تھی تو اس کے لیے بھی دعائیں کرنی پڑتی تھیں۔ تم تذکرہ پڑھو تو تمہیں اس میں یہ لکھا ہوا دکھائی دے گا کہ ایک دفعہ ہمیں پچاس روپیہ کی ضرورت پیش آئی اور جیسا کہ اہل اللہ پر کبھی کبھی ایسی حالت گزرتی ہے۔ اُس وقت ہمارے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔ تب ہم نے وضو کیا اور جنگل میں جا کر دعا کی۔ اِس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام نازل ہوا کہ:۔

''دیکھ میں تیری دعاؤں کو کیسے جلد قبول کرتا ہوں''[3]

اس کے بعد ہم واپس آئے تو بازار سے گزرے اور ڈاکخانہ والوں سے پوچھا کہ کیا ہمارے نام کوئی منی آرڈر آیا ہے یا نہیں؟ انہوں نے ایک خط دیا جس میں لکھا تھا کہ پچاس روپے آپ کے نام بھجوا دیئے گئے ہیں۔ چنانچہ اُسی دن یا دوسرے دن وہ روپیہ ہمیں مل گیا۔

غرض ایک زمانہ ایسا گزرا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پچاس روپوں کے لیے بھی فکر ہوتا تھا کہ وہ کہاں سے آئیں گے۔ اور یا اب یہ حالت ہے کہ سندھ میں جو میری اور سلسلہ کی زمینیں ہیں اُن پر تین ہزار روپیہ ماہوار تک تنخواہوں کا ہی دینا پڑتا ہے۔ گویا کُجا تو یہ حالت تھی کہ پندرہ سَو روپیہ ماہوار کا خرچ ساری جماعت کے لیے بوجھ سمجھا جاتا تھا اور پچاس روپیہ کی ضرورت کو اتنا شدید سمجھا جاتا تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے لیے خاص طور پر علیحدگی میں دُعا کرنا ضروری سمجھا اور کُجا یہ حالت ہے کہ اُسی شخص کا بیٹا سینکڑوں روپیہ ماہوار اپنے کارکنوں کو تنخواہیں دیتا ہے اور انجمن کے افسروں کو ملا کر وہ رقم ہزاروں روپیہ کی بن جاتی ہے اور ربوہ کے دفتروں کو ملا کر کوئی نوّے ہزار ماہوار کی رقم بن جاتی ہے۔ یہ کتنا عظیم الشان فرق ہے جو ہر شخص کو دکھائی دے سکتا ہے۔ مگر ابھی کیا ہے

ابھی تو صرف ہزاروں روپیہ خرچ ہو رہا ہے۔ پھر کوئی وقت ایسا آئے گا کہ صدرانجمن احمدیہ اور تحریک جدید کا تین تین اَرب کا بجٹ ہو گا۔ پھر ایسا زمانہ آئے گا کہ ان کا تین تین کھرب کا بجٹ ہو گا۔ یعنی صدرانجمن احمدیہ اور تحریک جدید کا سالانہ بجٹ بہتّر کھرب کا ہو گا۔ پھر یہ بجٹ پدم پر جا پہنچے گا۔ کیونکہ دنیا کی ساری دولت احمدیت کے قدموں میں جمع ہو جائے گی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے صاف طور پر لکھا ہے کہ مجھے یہ فکر نہیں کہ روپیہ کہاں سے آئے گا۔ مجھے یہ فکر ہے کہ اُس روپیہ کو دیانتداری کے ساتھ خرچ کرنے والے کہاں سے آئیں گے؟4 چنانچہ دیکھ لو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے وصیت کا نظام جاری فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے اِس میں ایسی برکت رکھ دی کہ باوجود اِس کے کہ انجمن کے کام ایسے ہیں جو دلوں میں جوش پیدا کرنے والے نہیں پھر بھی صدرانجمن احمدیہ کا بجٹ تحریک جدید کے بجٹ سے ہمیشہ بڑھا رہتا ہے کیونکہ وصیت اِن کے پاس ہے۔ اِس سال کا بجٹ بھی تحریک جدید کے بجٹ سے دو تین لاکھ روپیہ زیادہ ہے۔ حالانکہ تحریک کے پاس اتنی بڑی جائیداد ہے کہ اگر وہ جرمنی میں ہوتی یا یورپ کے کسی اَور ملک میں ہوتی تو ڈیڑھ ڈیڑھ، دو دو کروڑ روپیہ سالانہ ان کی آمد ہوتی۔ مگر اِتنی بڑی جائیداد اور بیرونی ممالک میں تبلیغِ اسلام کرنے کی جوش دلانے والی صورت کے باوجود محض وصیت کے طفیل صدرانجمن احمدیہ کا بجٹ تحریک جدید سے بڑھا رہتا ہے۔ اِسی لیے اب وصیت کا نظام میں نے امریکہ اور انڈونیشیا میں بھی جاری کر دیا ہے اور وہاں سے اطلاعات آ رہی ہیں کہ لوگ بڑے شوق سے اس میں حصہ لے رہے ہیں۔ گو امریکہ کے مبلغ اِس معاملہ میں بہت سُستی سے کام لے رہے ہیں۔ میں نے سمجھا کہ چونکہ یہ خداتعالیٰ کا قائم کردہ ایک نظام ہے اگر اِس نظام کو بیرونی ملکوں میں بھی جاری کر دیا جائے تو وہاں کے مبلغوں کے لیے اور مشنوں کے لیے اور مسجدوں کی تعمیر کے لیے بہت بڑی سہولت پیدا ہو جائے گی۔

غرض یہ خدا کا ایک بہت بڑا نشان ہے جو اُس نے اپنے زندہ ہونے کے ثبوت کے طور پر تمہارے سامنے ظاہر کیا ہے۔ اب تمہارا کام ہے کہ تم ان نشانات سے فائدہ اُٹھاؤ اور خداتعالیٰ کے دامن کو ایسی مضبوطی سے پکڑ لو کہ وہ تم سے کبھی جدا نہ ہو۔ تمہیں اگر ایک

چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی مل جائے تو تم اُسے ضائع کرنا کبھی پسند نہیں کرتے۔ اگر تمہیں دوآنے مل جائیں تو تم ان دو آنوں کا ضائع ہونا بھی برداشت نہیں کر سکتے، اگر تمہیں کہیں سے ایک روپیہ مل جائے تو تم اُس ایک روپیہ کا ضیاع بھی برداشت نہیں کر سکتے، اگر تمہارے پاس ایک زٹیل5 اور مریل گھوڑا ہو تو تم اُس مریل گھوڑے کو ضائع کرنا بھی پسند نہیں کرتے پھر یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ تمہارے پاس ایک زندہ خدا ہو اور تم اُس سے غافل ہو۔ جب تم اُس کا ہاتھ پکڑ لو گے تو وہ تمہیں کبھی نہیں چھوڑے گا۔ بلکہ ہر موقع پر تمہاری غیر معمولی نشانات سے تائید فرمائے گا۔ اگر تمہارے جاہل باپ دادا نے یہ ضرب المثل بنائی ہوئی تھی کہ ''ہتھ پھڑے دی لاج رکھنا'' اور وہ جس کا ہاتھ پکڑ لیتے تھے اُسے کبھی نہیں چھوڑتے تھے تو کیا تم سمجھتے ہو کہ اگر تم نے مضبوطی کے ساتھ اپنے خدا کے دامن کو پکڑ لیا تو وہ تمہاری لاج نہیں رکھے گا؟ وہ ایسی لاج رکھے گا کہ دنیا میں کسی نے ایسی لاج نہ رکھی ہوگی۔ اور وہ تمہارا اِس طرح ساتھ دے گا کہ تمہارے ماں باپ نے بھی تمہارا اُس طرح کبھی ساتھ نہیں دیا ہوگا''۔

(الفضل 10 جولائی 1956ء)

---

1 : الفاتحة:2

2 : البقرة:256

3 : تذکرہ صفحہ 119 طبع چہارم

4 : رسالہ الوصیت روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 319۔ نظارت اشاعت ربوہ 2008ء

5 : زٹیل: گھٹیا، نکما، جو کوئی کام نہ آسکے (اردو لغت تاریخی اصول پر۔ جلد 11 صفحہ 56۔ کراچی 1990ء)